بسم الله الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۹/۱، جنوری - جون ۲۰۱۴ء

اداریہ

سماجی برائیوں کا انسداد اور قرآنی تدابیر

ظفر الاسلام اصلاحی

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت جملہ انسانی شعبوں کو محیط ہے اور ہر شعبۂ حیات کے لیے اس کی ہدایات انتہائی جامع و ہمہ گیر ہیں۔ دراصل ان سب سے مقصود انسانی خیر و فلاح ہے یا ان باتوں و کاموں کی طرف رہنمائی ہے جن کو ماننے و اختیار کرنے پر اللہ ربّ العزت سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے اور یہ بالآخر دنیوی و اخروی دونوں زندگی کی خوش گواری و کامیابی کی ضامن بنتی ہے۔ قرآن کی نظر میں انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ نیکیوں و اچھائیوں کو فروغ حاصل ہو اور برائیوں کا استیصال ہو۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے قرآن نے انفرادی و اجتماعی دونوں طور پر اہلِ اسلام کا ایک اہم فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر قرار دیا ہے، بلکہ اسے ان کی امتیازی شان بتایا ہے۔ زیر بحث موضوع کے لحاظ سے اہم بات یہ کہ یہ فریضہ کیسے انجام دیا جائے اس کا طریقہ بھی قرآن نے سکھایا ہے۔ بالفاظِ دیگر معاشرہ میں بھلائی کو کیسے فروغ حاصل ہو اور لوگوں میں کیسے برائیوں سے نفرت و دوری پیدا کی جائے اس باب میں قرآن کی بتائی ہوئی تدابیر بڑی مفید و موثر ثابت ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور نہایت سنجیدگی سے انہیں اختیار کیا جائے۔

سماج میں اچھائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کو پھیلنے سے روکنے کے لیے قرآن کا تشکیل کردہ ایک پورا نظام ہے جس میں بنیادی عقائد، اخلاقی تعلیمات، احکام

(اوامر ونواہی) اور ترغیبات وتہدیدات اپنا پنا مستقل کردار رکھتے ہیں اور احکام، تعلیمات وترغیبات کا یہ پورا نظام ایک دوسرے سے مربوط بھی ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے ان میں سے صرف کسی ایک کا سہارا لینا بہت زیادہ مفید وموثر نہ ثابت ہوگا۔ اسلامی نظامِ حیات کا کوئی شعبہ (خواہ عقاید ہو یا عبادات، احکام ہو یا اخلاقیات) ہواس کا ایک بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک جانب انسان کا تعلق اس کے خالق ومالک سے مضبوط ہو جائے اور دوسری جانب اس کے بندوں سے بھی یہ تعلق استوار وخوش گوار رہے۔ حقیقت یہ کہ انسان کے باہمی تعلق کی خوش گواری اسی پر منحصر ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کے حقوق کا خیال رہے۔ ہر شخص بھلائی کی جانب راغب ہو اور برائی سے دور رہے اور کوئی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے دوسرے کی حق تلفی ہو اور معاشرہ کا امن وامان متاثر ہو۔

قرآن کریم سب سے پہلے عقاید کی تبیین وتشریح کے ذریعہ اللہ رب العزت کی عظمت وکبریائی کا نقش دل میں بٹھاتا ہے، اس کے ہر وقت اور ہر جگہ حاضر وناظر رہنے کا احساس دلاتا ہے، اس کے ارشادات واحکام کی اہمیت اور قدر وقیمت دل میں جاگزیں کرتا ہے، ان کے ماننے و نہ ماننے کے ثمرات ونتائج سے باخبر کرتا ہے، قیامت میں اللہ کے حضور حاضری اور باز پرس کے لمحات یاد دلاتا ہے اور یہ حقیقت بار بار یاد دلاتا ہے کہ اخروی زندگی کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

دوسرے قرآن سماج میں جنم پانے والی یا پھیلنے والی برائیوں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرتا ہے اور خود ان برائیوں کے مرتکب اور پورے معاشرہ پر اس کے جو برے اثرات پڑتے ہیں اور اس کی وجہ سے جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی نشان دہی کرتا ہے اور پھر ان سے متعلق ممانعتی احکام جاری کرتا ہے۔ اس طرح سماجی برائیوں کے انسداد کے لیے قرآنی تدابیر میں پہلے ان کے خلاف ذہن سازی کافی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ بھی ان کے دور رہنے کی ترغیب دیتا ہے اور یہ بات ذہن نشیں کراتا ہے کہ ان سے دور رہنے ہی میں ان کے لیے خیر ہے اور پورے معاشرہ کی بھلائی اسی میں ہے۔ ان سب کے علاوہ یہ بات بھی

کافی اہم ہے کہ سماجی برائیوں کی سختی سے ممانعت کے ساتھ قرآن کریم ان باتوں یا چیزوں کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے جو ان برائیوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہیں یا ان کا دروازہ کھولتی ہیں۔ اس تدبیر کو فقہ کی معروف اصطلاح میں ''سدّ ذرائع'' کہا جاتا ہے، مثلاً مرد وزن کا اختلاط، کسی نامحرم سے تنہائی میں ملنا، کسی اجنبی عورت پر قصداً نگاہ ڈالنا، کسی کی ستر پر نظر ڈالنا، کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا، کسی کے گھر میں بلا وجہ جھانکنا، کسی کی نجی زندگی میں دخل اندازی کرنا یا اس کی ٹوہ میں لگے رہنا، انتہائی باریک یا نہایت چست لباس پہننا، عریاں یا نیم عریاں تصاویر کا دیکھنا یا دکھانا، جذبات کو بھڑکانے والے گانے سننا یا سنانا۔

انسانی زندگی کی تعمیر و اصلاح میں اسلام کے بنیادی عقاید بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار ان عقاید کی اہمیت اور انسان کی روزمرہ زندگی پر ان کے اثرات کو واضح کرتے ہوئے ان کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خالق و مالکِ حقیقی اور ربّ کائنات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا احساس جس کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا اور اس خوف دل میں بیٹھ جائے گا وہ کیسے اس کے احکام کو توڑنے اور اس کی ہدایات کی خلاف ورزی کی جراءت کرے گا، بلکہ وہ تو ہر حال میں اس کے احکام کو بجا لانے میں سبقت دکھائے گا۔ درحقیقت خدائے واحد پر ایمان وہ زبردست قوت ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ (مذہبی ہو یا سماجی، معاشی ہو یا سیاسی) کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور اس پر حکمرانی کرتی ہے اور صاحب ایمان کو اللہ ربّ العالمین کا ایسا فرماں بردار بنا دیتی ہے کہ وہ یہی چاہتا ہے کہ ہر حال میں وہ اللہ کا بندہ بن کر رہے اور وہ اسی کامل بندگی کو اپنی حقیقی فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس کے برخلاف جو اللہ کا انکار کرنے والے ہیں، اس کی عظمت و کبریائی کو جھٹلانے والے ہیں یا اس میں دوسروں کا شریک مانتے ہیں وہ شیطان کو اپنا ولی و سرپرست بنا لیتے ہیں، نفسانی خواہشات کی غلامی میں اپنے آپ کو ڈال دیتے ہیں اور پھر برائیوں و گناہوں کی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَـٰئُهُمُ الطَّٰغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (البقرہ/۲۵۷)

اور وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں ان کے حامی و سرپرست شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔

اللہ ربّ العزت پر پختہ ایمان دراصل بھلائی کے فروغ اور برائی سے نفرت کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے کہ صاحبِ ایمان کبھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ ایسی حرکت کرے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث بنے اور یہ بات بخوبی معروف ہے کہ اللہ بدی اور اس کے مرتکبین کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ قرآن کی متعدد آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّاناً أَثِيماً (النساء/۱۰۷)

بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

دوسرے اسلام کے بنیادی عقاید میں یہ عقیدہ بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ رب العزت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ یعنی انسان جہاں بھی رہے اور جس حالت میں بھی رہے اس کا ہر عمل اور اس کی ہر حرکت اللہ کے مشاہدہ میں رہتی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ ارشادِ ربّانی ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (المجادلہ/۷)

کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے، کہیں تین اشخاص کی سرگوشی ہو تو وہاں ان کا چوتھا اللہ ہے اور پانچ ہو تو چھٹا ان کا اللہ ہے، اس سے کم یا زیادہ جتنے بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ ان سب کو قیامت کے دن بتائے گا۔ بے شک اللہ کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (التوبہ/۷۸)	کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے بخوبی واقف ہے اور غیب کی تمام باتوں کو وہ جاننے والا ہے۔

انسان سے برائیاں کھلے میں ہوتی ہیں اور پوشیدہ طور پر بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر برائیوں کا ارتکاب چھپے طور پر ہوتا ہے۔ شیطان کو اس وقت خاص طور سے بہکانے کا موقع ملتا ہے جب وہ تنہائی میں ہوتا ہے یا دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔ وہ اسے ورغلاتا ہے کہ دل میں جو خواہش (اچھی ہو یا بری) ہے پوری کرلو، کون یہاں دیکھنے اور پکڑنے والا ہے۔ اس صورتحال میں اگر ایک شخص کے دل میں یہ یقین بیٹھ جائے کہ چاہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اسے قرآن کی واضح کردہ یہ حقیقت یاد آجائے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو ایسا شخص تنہائی یا رات کی تاریکی میں رہتے ہوئے بھی کسی برائی میں ملوث ہونے یا گناہ کا ارتکاب کرنے کی جراءت نہ کرے گا۔ قرآن نے اس سے آگے بڑھ کر انسان کو یہ بھی گوش گزار کیا ہے کہ ظاہری اعمال تو چھوڑ دیجیے اللہ تو دلوں کے بھید کو بھی جاننے والا ہے۔ انسان جو سوچتا ہے، جس کام کا ارادہ کرتا ہے اور جو وسوسہ اس کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے اس سے بھی وہ باخبر رہتا ہے۔ نظروں سے جو خیانت و بد احتیاطی ہوتی ہے وہ بھی اس کے علم میں رہتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (النمل/۷۴)	اور حقیقت یہ کہ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور اس کو بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق/۱۶)	اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں ان خیالات کو جو اس کے جی میں آتے ہیں اور ہم تو اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

قرآن میں ان باتوں (اللہ دلوں کے بھید سے واقف ہے، دل و دماغ میں جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے اللہ کو اس کا بھی علم رہتا ہے) کی طرف انسان کو بار بار متوجہ کرنے کی حکمت اس طور پر سمجھی جا سکتی ہے کہ پہلے دل میں برائی کا خیال پیدا ہوتا ہے، دماغ میں فتنہ وفتور کی باتیں آتی ہیں یا نفس میں بری خواہش جنم پاتی ہے اور پھر دوسرے مرحلہ میں اس کو عمل کی صورت میں ڈھالا جاتا ہے یا اس پر عمل کرنے کے لیے قدم بڑھایا جاتا ہے، یعنی اصلاً برے خیالات و وساوس برے اعمال یا برائی کے ارتکاب کا ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے قرآن کریم پہلے انہی کو روکنے کی تدبیر بتاتا ہے۔

اسلام کے بنیادی عقاید میں آخرت یا روزِ جزا میں یقین بھی نیکی کی راہ اختیار کرنے اور برائی سے اجتناب کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن اس بنیادی عقیدہ کے حوالہ سے بار بار انسان کو یاد دلاتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور اس سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی، کان، آنکھ، دل اور دوسرے اعضاء (جس سے کوئی کام بھی لیا گیا ہوگا) سے بھی پرسش ہوگی، چھوٹی و بڑی نیکی و بدی جو بھی کسی نے دنیا میں کیا ہے وہ آخرت میں اس کے سامنے آجائے گی، یہ دنیا بلا مقصد نہیں بنائی گئی ہے اور بلا حساب و کتاب کے اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا، انسان یہ نہ سمجھے کہ اس دنیا میں وہ جو کچھ کرتا رہے اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
(الجاثیہ/۲۶)

کہہ دو اللہ تم سب کو زندگی دیتا ہے، پھر تمھیں موت سے دوچار کرے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن تک جمع کرے گا اس میں کوئی شبہ نہیں، لیکن زیادہ تر لوگ اس [حقیقت] کو جانتے نہیں۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا
(بنی اسرائیل/۳۶)

حقیقت یہ کہ کان، آنکھ، دل ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَرَهُ. وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ (الزلزال/۸-۷)

پس جس نے ذرّہ برابر بھی نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (المومنون/۱۱۵)

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمھیں عبث پیدا کیا اور تم لوگ ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (القیٰمۃ/۳٦)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔

مزید براں قرآن کریم نے آخرت کے حالات کے تذکرہ میں انسان کے سامنے دوٹوک انداز میں یہ بھی واضح کیا کہ وہ دنیا میں جن اعضاء پر اختیار رکھتا ہے اور پوری آزادی کے ساتھ ان کو استعمال کرتا ہے یہی اعضاء قیامت میں ان اعمال کے گواہ بنیں گے جن کے لیے ان سے کام لیا گیا ہوگا۔ وہاں ان پر انسان کا کوئی بس نہ چلے گا، وہ ان کے خلاف بھی گواہی دیں گے، یعنی ان کے برے اعمال کے خلاف حجت بنیں گے۔ درج ذیل آیات انہی حقائق کی ترجمانی کرتی ہیں:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ (النور/۲۴)

[یاد کرو] اس دن جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے سامنے ان کے اعمال گواہی دیں گے، اس دن اللہ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یٰس/٦۵)

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہمیں بتائیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے [اس کام کی] جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔

قرآن نے انسان کو اس پہلو سے بھی غور کرنے کی دعوت دی کہ صرف حساب کتاب نہیں ہوگا بلکہ ہر شخص کے لیے اس کا نتیجہ بھی سامنے آئے گا اور اسی کے مطابق وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا یا ناکامی سے دوچار ہوگا۔سکون و اطمینان کی ابدی زندگی اسے نصیب ہوگی یا تکلیف و پریشانی کے نہ ختم ہونے والے ایام اس کے حصہ میں آئیں گے۔اس بات کی طرف یہاں اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برائی کے خلاف ذہن تیار کرنے کے لیے قرآن نے مختلف پیرایے اپنائے ہیں۔ان میں یہ بھی شامل ہے کہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کے وبال سے خبردار کیا ہے اور بار بار برائی ارتکاب کرنے والوں کو اس پر بھی متنبہ کیا ہے کہ وہ اس کے وبال سے بچ نہیں سکتے یعنی برائی کا انجام بہر حال برا ہوتا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاء فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حٰم السجدہ/۴۶)	جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔

قرآن نے انسان کو یہ بھی یاد دلایا ہے کہ کسی کو نقصان پہنچانے یا کوئی بری حرکت کرنے کے لیے انفرادی چال چلی جائے یا اس کے لیے اجتماعی سازش رچی جائے اس کا انجام برا ہو کر رہتا ہے اور بری چال چلنے والا یا سازش کرنے والا خود اس کے گھیرے میں آجاتا ہے۔ان کی چال ناکام ہو کر رہتی ہے اور آخرت میں وہ اس کی وجہ سے جس دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے وہ اس کے علاوہ ہے۔ان آیات سے یہی سبق ملتا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّئٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ أُوْلٰئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (فاطر/۱۰)	جو لوگ بری چال چلتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی چال غارت ہو کر رہے گی۔
وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (فاطر/۴۳)	اور بری چال تو اسی کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔

مزید براں قرآن مجید اس پہلو سے بھی انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ کیا نیکوکار و بدکار انجام کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کیا اچھائی کو فروغ دینے والوں اور شر و فساد پھیلانے والوں کے ساتھ یکساں معاملہ انصاف کے خلاف نہ ہوگا؟۔ان آیات میں یہی دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص/۲۸)

کیا وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہم انہیں فساد برپا کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئٰتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُم وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الجاثیہ/۲۱)

اور جو لوگ برے کرتوت کر رہے ہیں کیا ان کا خیال یہ ہے ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ کیا ان دونوں کی موت و زندگی یکساں ہو گی، کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ۔

ان سب کے علاوہ قرآن نے بہت سی آیات میں یہ واضح کیا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، دوسروں کو اس کی ترغیب دینے والے ہیں اور برائیوں سے اپنے آپ کو بچانے والے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اخروی زندگی میں کیسے کیسے انعام و اکرام سے نوازے گا۔ اس کے برخلاف جو لوگ بدکار ہیں، برائیوں کو پھیلانے والے ہیں اور نیکی کو فروغ دینے والوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والے ہیں اللہ ربّ العزت انہیں کتنی سخت سزا سے دوچار کرے گا۔ارشادِ الٰہی ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ. وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ. كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئاً بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (المرسلات/۴۱-۴۴)

بے شک تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والے سایوں، چشموں اور باغوں میں ہوں گے، کھاؤ پیو خوش گواری کے ساتھ اپنے اعمال کے بدلہ میں۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ (الزخرف ۷۱-۷۳)

اور وہاں جس چیز کا جی چاہے گا اور جو آنکھوں کو بھائے گا وہ موجود ہوگا اور [اے جنت والو] اب تم لوگ جنت میں ہمیشہ رہو گے اور یہ جنت تمہاری ملکیت میں دی گئی ہے، تمھارے کیے ہوئے نیک اعمال کا صلہ ہے۔ وہاں تمھارے لیے کثرت سے ہر نوع کے میوے ہیں جنہیں تم کھاتے ہو۔

ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کی خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہوگی کہ اس کا دل جس چیز کی خواہش کرے وہ بلا محنت اسے مل جائے۔ دراصل یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے اصحابِ جنت سرفراز ہو گے۔ اسی طرح متعدد آیات میں نارِ جہنّم کی شدت، اس میں ملنے والی تکلیف دہ غذا اور اور انتہائی دردناک کیفیت کی عکّاسی کی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ. الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ. إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ. فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (الھمزہ ۶-۹)

اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو [بدن کو چھوتے ہی] دلوں تک پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ اس میں وہ بند کر دیے جائیں گے، وہ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ. لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ (الغاشیہ ۶-۷)

اور کھانے کے لیے ان کو خار دار جھاڑ کے سوا اور کچھ نہ ملے گا جس سے نہ بدن کو قوت ملے گی اور نہ بھوک ہی رفع ہوگی۔

اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کیا ہوگی کہ جہنم والوں کو اس دردناک کیفیت سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، نہ تو انہیں موت آئے گی کہ اس سے چھٹکارا مل جائے اور نہ ہی ایسی زندگی ملے گی جس میں کچھ سکون حاصل ہو۔ اس آیت میں یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِماً فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (طٰہٰ/۷۴)

یہ حقیقت ہے کہ جو بھی اپنے رب کے حضور مجرم بن کر حاضر ہوگا اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ جئے گا اور نہ مرے گا۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ سماج میں اچھائی کو فروغ دینے، برائیوں کو پھیلنے سے روکنے اور ایک صالح وصحت مند معاشرہ کی تعمیر کے لیے قرآن کے احکام یا اوامر و نواہی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔یعنی قرآن میں کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کے بھی do'sاور do not's ہیں۔ درحقیقت قرآن کا تشکیل کردہ اوامر ونواہی کا پورا نظام ہے جس کا تعلق سماجی واخلاقی اور معاشرتی ومعاشی زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔قرآن روزمرّہ زندگی میں لوگوں کو ان کا پابند بنانا چاہتا ہے تاکہ ان کی زندگی خوش گوار رہے، امن وسکون کو ضمانت ملے اور کسی کی جان و مال اور عزت وآبرو پر کوئی زد نہ آئے کہ اس کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا ہو اور لوگوں کا چین و سکون غارت ہو جائے۔اس ضمن میں قرآن کے خاص خاص اوامر یہ ہیں: لوگوں سے بھلی بات کہو، ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرو، ان سے تواضع سے پیش آؤ، ان کے حقوق کی پاسبانی کرو، خاص طور سے ان کی عزت وآبرو کا خیال رکھو اور ہر حال میں ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرو۔ان اوامر کے اثرات کو مزید مستحکم بنانے کے لیے قرآن نے کچھ ممانعتی احکام یا نواہی بھی مقرر کیے ہیں اور ان میں سماجی برائیوں سے متعلق وہ احکام زیادہ اہمیت رکھتے ہیں جن کا تعلق جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت سے ہے۔

موجودہ سماج میں جو برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جن کی وجہ سے بدامنی اور بے اطمینانی کی فضا ماحول پر چھائی ہوئی ہے ان میں ایک انتہائی سنگین برائی جانی حرمت کی پامالی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو جانا اور اس کی متاع عزیز کو چھین لینا ایک معمولی واقعہ بن گیا ہے اور اس کی وجہ سے متاثرین ایسے مشکل مسائل سے دوچار ہوتے ہیں کہ خاندان کا خاندان تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے اور فریقین کا امن وسکون غارت ہو جاتا ہے۔قرآن نے بلاوجہ قتل انسانی کو حرام قرار دیتے

ہوئے بڑے موثر و بلیغ انداز میں اس کے نتائجِ بد کی طرف انسان کو متوجہ کیا ہے۔
ارشادالٰہی ہے:

وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (الانعام/۱۵۱)

اور اس جان کو نہ مارو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں اللہ نے تمہیں نصیحت کی ہیں تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔

مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِىْ الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً (المائدہ/۳۲)

اور جس نے کسی کو خون کے بدلہ یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے ناحق قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

آج معاشرہ میں جو جرائم بڑی تیزی سے پنپ رہے ہیں اور جس نے جدید دور میں ''انسان کی ترقی'' پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان لگا دیا ہے وہ ہے عورتوں کے ساتھ زیادتی اور ان کی عزت وناموس پر شدید حملہ۔ شاید کوئی دن ناغہ نہ جاتا ہو کہ اخبارات کی دو چار شاہ سرخیاں اس طرح کے واقعات کے ذکر سے رنگین نہ ہوتی ہوں۔ آج سے ہزاراوں برس پہلے قرآن نے اس جرم شنیع سے باز رہنے کے لیے کتنے بلیغ انداز میں حکم دیا ہے کہ اس میں ملوث ہونا تو بہت دور کی بات ہے اس کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی ان باتوں سے بھی اپنے آپ کو دور رکھو جو اس کا راستہ دکھانے والی ہیں یا اس کے لیے برانگیختہ کرنے والی ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنٰى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلاً (بنی اسرائیل/۳۲)

اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ بلا شبہ یہ سراسر بے حیائی اور بدترین راستہ ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے قرآن میں سورۂ فرقان کے آخر میں اللہ ربّ العزت کے محبوب بندوں کے امتیازی اوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ نہ تو کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ بدکاری میں ملوث ہوتے ہیں، یعنی ہر شخص

کی جان کی حرمت اور عورت کی عزت و آبرو کے تقدس کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان/۶۸)

اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو کوئی ان کا مرتکب ہوگا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا۔

یہ بات قابلِ غور ہے ایک جانب قرآن نے بدکاری یا کسی عورت کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کرنے کو انتہائی بے حیائی کا کام اور تباہی و بربادی کا راستہ قرار دے کر اس کی سختی سے ممانعت کی اور اس حکم کے توڑنے والوں کے لیے سخت سزا مقرر کی۔ اس طرح یہ پیغام دیا کہ اسلامی معاشرہ کا ہر شخص عورت کی عزت و آبرو کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھے اور یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھے کہ کسی کی عزت و عصمت کو تار تار کرنا ایسا برا راستہ ہے جو اس کے مرتکب کو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے اور معاشرہ کی اخلاقی حالت کے لیے مضر بھی ہے۔ درحقیقت عورتوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کے باب میں قرآن اتنا حساس ہے کہ اس کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی عورتوں پر تہمت لگائے، ان پر بے جا الزام تراشی کرے اور بلاوجہ ان کی پاک دامنی کو داغ دار کرنے کی کوشش کرے۔ قرآن کی نظر میں ایسی مذموم حرکت کرنے والے اس دنیا میں لایقِ ملامت ہیں ہی، آخرت میں بھی ملعون ہیں۔ دوسرے وہاں یہ لوگ نہایت دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النور/۲۳)

جو لوگ پاک دامن، بھولی بھالی و بے خبر عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہاں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن و حدیث میں مومن کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے قول و فعل سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے اور لوگ ان کی زبان درازی اور دست درازی سے محفوظ رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زیادتی زبان سے ہو یا ہاتھ سے، اس کا

تعلق جان و مال سے ہوتا ہے اور عزت و آبرو سے بھی۔ اس کی زد مرد پر پڑتی ہے اور عورت پر بھی۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ صحیح بخاری میں کتاب الایمان کے تحت چوتھی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ [صحیح معنوں میں] مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده) ۔ جامع ترمذی کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے: المومن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم (جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده) ۔ [اصل میں مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال پر بے خوف و خطر یا مامون رہیں] یعنی یہ مومن کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ ہر ایک کی جانی و مالی حرمت کا خیال رکھتے ہیں اور اس کی عزت و آبرو پر حملہ تو دور کی بات ہے وہ اس کے تحفظ کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ سورۂ مومنون کے شروع میں ان اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کیے گیے ہیں جو حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔ ان کا چوتھا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی ناجائز طور پر وہ اپنی جنسی خواہش پوری نہیں کرتے یا وہ اپنی قوّت شہوانی کے استعمال میں بے لگام نہیں ہوتے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ. وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ. إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (المومنون/۱۔۶)

بلا شبہ کامیاب ہو گئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں سے یا ان سے جو ان کی ملکیت میں ہیں، ان کے بارے میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں اور جنہوں نے اس کے علاوہ کی خواہش کی تو وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔

جان اور عزت و آبرو کی حرمت کی پامالی کے علاوہ موجودہ سماجی زندگی کی ایک اور خرابی جو پورے معاشرہ کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے وہ مالی معاملات میں بددیانتی یا بدعنوانی ہے۔ سماج کا شاید ہی کوئی ایسا طبقہ ہو جو اس وبا کا شکار نہ ہو، خواہ عوام ہوں یا اہلِ حکومت، تاجر ہوں یا اہلِ حرفت، مزدور ہوں یا مالک، کارخانہ دار ہوں یا ملازم، میکینک ہوں یا صنعت کار۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ ایسی خطرناک برائی ہے کہ یہ دوسری بہت سی برائیوں کے جنم پانے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ اس وبا سے نپٹنے کے لیے قرآن کریم کے نواہی میں دو خاص اہمیت کے حامل ہیں: ایک باطل یا ناجائز ذریعہ سے مال نہ کھانا اور دوسرے خیانت نہ کرنا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ/۱۸۸)

اور نہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے انہیں اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ جان بوجھ کر ناجائز طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ باطل طریقہ سے مال کھانے کی ممانعت میں وہ تمام طریقے آگئے جس میں ناجائز طریقہ سے دوسروں کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے یا کسی کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ان میں خیانت، چوری، غارت گری، جوا، سود، رشوت، جھوٹ، جھوٹی گواہی، فریب ودغابازی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قرآن کریم نے ان سب برائیوں کو علیحدہ بھی ذکر کرکے ان کے برے انجام سے متنبہ کیا ہے اور ان سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے (اس کی تفصیلات علوم القرآن کے جنوری۔ جون ۲۰۱۳ء کے اداریہ میں دیکھی جاسکتی ہیں)۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسبِ مال یا حصولِ زر کے ناجائز ذرائع بہت سے ہیں لیکن ان سب پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں سے بیشتر کی جڑ بے ایمانی یا خیانت ہے۔ قرآن نے اپنی ہدایات وتعلیمات کے ذریعہ سے اس پر ضرب کاری لگائی ہے اور اس سے کلّی اجتناب کا حکم دیا ہے اور اسے ان کاموں میں

شامل کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَخُونُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُواْ أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (الانفال/۲۷)	اے ایمان والو! جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔

ظاہر ہے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کا مطلب ہے ان کے حکم سے سرتابی کرنا اور ان کی مرضی کے خلاف کام کرنا۔ اس آیت میں امانت میں خیانت کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ خیانت امانت کی ضد ہے۔ عام طور پر کسی کے پاس بطور امانت رکھے ہوئے مال یا سامان میں خرد برد کرنے یا اسے پوری طرح ہڑپ کر لینے کو خیانت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ ملازمت یا اجرت پر کام کرتے ہوئے اس کے جو مقررہ اوقات ہیں ان کی پابندی نہ کرنا یا ڈیوٹی کے اوقات میں اپنا کوئی کام کرنا یا مفوضہ ذمہ داری کی انجام دہی میں غفلت ولاپرواہی برتنا یہ سب خیانت میں شامل ہے۔ اسی طرح ایک مزدور یا ملازم کی جو تنخواہ مقرر ہے اس سے کم ادا کرنا بھی خیانت ہے۔ آج کے دور میں نیچے سے لے کر اوپر تک لوٹ گھسوٹ اور رشوت کی جو گرم بازاری ہے یہ سب اسی سماجی و معاشی برائی کا شاخسانہ ہے۔ قرآن کریم کی دو آیتوں (النساء/۱۰۷، الحج/۳۸) میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت میں ملوث ہوتے ہیں اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّاناً أَثِيماً (النساء/۱۰۷)	اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والے ہیں اور گنہ گار ہیں۔

اللہ رب العزت کی نگاہ میں خائن یا بد دیانت لوگ کس قدر ناپسندیدہ ہیں اس کا اندازہ اس سے بھی لگا جا سکتا ہے کہ قرآن کے مطابق یہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی حمایت کی جائے یا ان کی طرف سے دفاع کیا جائے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے:

وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيماً (النساء/۱۰۵) اور تم خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔

حقیقت یہ کہ موجودہ دور میں خیانت و بد دیانتی کی مختلف شکلیں سماج میں رائج ہیں اور دن بہ دن یہ وبا پھیلتی جارہی ہے۔اس کے بارے میں قرآن کی سخت ناپسندیدگی اوپر کی آیات سے بخوبی واضح ہوتی ہیں۔

سماجی برائیوں کے انسداد کے لیے قرآنی تدابیر میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے بھی قرآن ان کے خلاف ذہن تیار کرتا ہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ موجودہ سماج میں جو برائیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب میں کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے،اس لیے کہ یہ زیادہ تر جان و مال کی حرمت کو پامال کرنے اور عزت و آبرو کے تقدس کو تار تار کرنے میں منتج ہوتی ہیں۔ظاہر ہے کہ ان سب برائیوں کا ارتکاب اسی وقت ہوتا ہے جب انسانی حقوق کا شعور نہیں ہوتا یا ان کا پاس ولحاظ باقی نہیں رہتا۔قرآن کریم حقوقِ انسانی کو یاد دلا کر بھی سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے انسان کو بیدار کرتا ہے اور انہیں یہ باور کراتا ہے کہ کسی کو جانی نقصان پہنچانا،کسی کے مال کو ہڑپ لینا یا کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنا درحقیقت انسانی حقوق کو ملیا میٹ کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا وبال صرف ایک شخص کو نہیں پہنچتا بلکہ پورے معاشرے پر اس کے برے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔اس ضمن میں یہ کتابِ ہدایت انسان کو سب سے پہلے یہ سبق دیتی ہے کہ معاشرہ میں اسی وقت امن و مان کا بول بالا ہوگا جب انسانی حقوق کا احترام کیا جائے اور ہر ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فریضہ سمجھے۔درحقیقت قرآن کریم یہ حقیقت دل میں جاگزیں کرانا چاہتا ہے کہ انسانی حقوق کی ماہیت و اہمیت اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب انسان کی عظمت و فضیلت کو سامنے رکھا جائے اور اس کی جان و مال اور عزت کی حرمت کو تسلیم کیا جائے۔قرآن کی نظر میں ایک انسان کا دوسرے انسان پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ اسے بھی اپنا جیسا انسان سمجھے یعنی اللہ ربّ العزت نے ہر شخص کو ایک انسان کی حیثیت سے جو شرف و فضل بخشا ہے وہ اس کا احترام کرے،اس لیے کہ یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ انسان کی عظمت و شرافت واضح کرنے

اور احترامِ آدمیت کا درس دیئے (بنی اسرائیل/۷۰، التین/۴) کے ساتھ قرآن نے انسان کو بار بار یاد دلایا ہے کہ وہ مٹّی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسے ایک نہ ایک روز مر کر پھر مٹّی ہی میں جانا ہے، یعنی نہ تو اس کی زندگی جاوداں ہے اور نہ اس کا مال و اسباب اور نہ ہی جاہ و منصب۔ یہ آیات انہی حقایق کی ترجمان ہیں:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (طٰہٰ/۵۵)	اسی [زمین] سے ہم نے تم سب کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور پھر اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (آل عمران/۱۰۹)	اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے حضور سارے معاملات پیش ہوتے ہیں۔

ان باتوں کی طرف متوجہ کرنے سے قرآن کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر غرور و تکبر نہ پیدا ہو، وہ کسی غریب و مسکین کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے اور نہ کسی کمزور کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے اور نہ طاقت و منصب کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرے۔

قرآن کریم نے انسانی حقوق کی راہ سے جان و مال کی حرمت اور عزت و آبرو کی حفاظت کا جو سبق سکھایا ہے اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اس باب میں کسی امتیاز کو روا نہیں رکھتا۔ وہ اس بات پر خاص زور دیتا ہے کہ انسانی حقوق (خواہ اس کا تعلق جان، مال و عزت کی حرمت سے ہو یا نجی زندگی کے تحفظ یا سماجی تعلقات و مالی معاملات سے) کی ادئیگی میں امیر و غریب، طاقت ور و کمزور، مسلم و غیر مسلم، موافق و مخالف، ملکی و غیر ملکی میں کوئی تفریق نہ قایم کی جائے۔ دراصل یہ مساویانہ و منصفانہ طرزِ عمل باہمی تعلقات کی خوش گواری اور معاشرہ میں امن و امان کے قیام کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ یہ بات ان آیات سے اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے بالکل عام انداز

میں لوگوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت، ان کے ساتھ منصفانہ و کریمانہ برتاؤ اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایات دی ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی قتل و غارت گری، آبرو ریزی، تحقیر و دل آزاری، غیبت و چغل خوری سے منع کیا گیا ہے وہاں خطاب بالکل عام ہے اور حکم کی نوعیت بھی عام ہے۔ مثلاً بلا وجہ کسی کو نہ مارو، کسی کا مال ناحق نہ کھاؤ، کوئی دوسرے کا مذاق نہ اڑائے، بدکاری کے قریب نہ جاؤ، کسی کو برے لقب سے نہ یاد کرو، کسی کی نجی زندگی کی ٹوہ میں نہ رہو۔ اس طرح کے قرآنی احکام کے مخاطب سبھی ہیں اور ان کو برتنا بھی بلا کسی تفریق سب کے لیے ہے۔

انسانی حقوق کی پاسبانی کی نسبت سے سماجی برائیوں کے روک تھام کے لیے قرآنی تدابیر کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے حقوق یاد دلاتا ہے۔ ان کا ذہن اس رخ پر تعمیر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا احترام کریں اور ان کے مطالبہ کے بغیر ان کی ادائیگی پر کاربند رہیں۔ قرآن بار بار انسان کو اللہ کا یہ حکم یاد دلاتا ہے کہ انسانی جان کی حرمت کا خیال رکھو، دوسرے کی عزت و آبرو کا پاس و لحاظ رکھو، عورتوں کو عزت کا مقام دو، ان کے ساتھ کریمانہ و شریفانہ انداز میں پیش آؤ، بیواؤں کی خبر گیری کرو، غرباء و مساکین کو ان کا حق دو، اپنے مال میں کمزوروں کا حق تسلیم کرو، یتامٰی اور دوسرے کمزور طبقات کے حقوق کی پاسبانی کرو اور ان کے استحصال سے اپنے آپ کو بچاؤ، ناداروں اور محتاجوں کی عزت نفس کا خیال رکھو، دوسرے کی نجی زندگی کا حق تسلیم کرو اور یہ ذہن میں رکھو کہ انصاف کا ملنا یہ بھی ہر انسان کا بنیادی حق ہے، اس لیے بلا کسی امتیاز ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرو۔

ان تمام باتوں سے ایک اور نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن نیک کام کرنے یا عمل کے ذریعہ اچھائی کے پھیلانے پر خاص زور دیتا ہے۔ اس سے یہ ذہن نشیں کرانا مقصود ہے کہ جب نیکی پھیل جائے گی اور پورے سماج میں اس کا بول بالا ہو جائے گا تو برائی خود ہی مٹ جائے گی یا اسے پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس آیت سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ	بے شک نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔
ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (ھود۱۱۴/)	یہ نصیحت ہے دھیان دینے والوں کے لیے۔

اس آیت سے قبل نماز کے اہتمام کی تاکید آئی ہے۔ اس کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی تحریر فرماتے ہیں: ''لفظ 'حسنات' نے نماز اور اس کے خاندان کی دوسری تمام نیکیوں کو سمیٹ لیا ہے۔ مطلب یہ کہ ان بھلائیوں میں ہی زیادہ سے زیادہ سرگرم رہو، اس لیے کہ یہی ان برائیوں کو مٹائیں گی جو اندر سے یا باہر سے سر اٹھا سکتی ہیں (تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۱۷۶/۴)۔ اس نکتہ کو ایک دوسری آیت کی روشنی میں بھی سمجھا جا سکتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نیکی و بدی برابر نہیں ہو سکتے یعنی نیکی بہر حال غالب ہو کر رہے گی۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نیکی میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس کے پھیلنے سے برائی خود بخود مٹ جاتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ	اور بھلائی و برائی برابر نہیں، تو برائی کا جواب
ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ	بہترین طریقہ سے دو تو دیکھو وہ شخص جس
بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ	کے اور تمھارے درمیان دشمنی تھی ایسا ہو
(حٰمٓ السجدہ ۳۴/۔۳۵)	جائے گا جیسا کہ وہ تمھارا جگری دوست ہو۔

آیت کے آخری حصہ کی روشنی میں مفسرین نے عام طور پر اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مخالف یا دشمن کے نازیبا رویہ پر انتقامی کاروائی کے بجائے ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے تو اس کے اثر سے دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ایک اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ نیکی یا اچھائی کا اثر بہر حال ظاہر ہوتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ کسی کام کے لیے انفرادی کوشش بھی اللہ ربّ العزت کی توفیق سے بارآور ہوتی ہے اور اگر یہ اجتماعی طور پر ہو تو اس کے اور بہتر نتائج سامنے آتے ہیں۔ قرآن میں (جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا) نیک کام کرنے، خیر کو فروغ دینے اور معروف کی اشاعت پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ سچ یہ کہ قرآن کی نظر میں یہ انفرادی طور پر

مطلوب ہے اور اجتماعی طور پر بھی۔ اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے جہاں جہاں نیکی کمانے، بھلی بات کہنے، نیک کام کرنے، برائی سے دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے، وہاں بیشتر مقامات پر خطاب جمع سے ہے (واستبقوا الخیرٰت، وقولوا للناس حسناً، وافعلوا الخیر، اعدلوا، وکونوا مع الصٰدقین، واجتنبوا الزور)

اس طرح کی آیات سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ نیک کاموں کے حکم کے مخاطب بلا کسی تفریق معاشرہ کا ہر فرد ہے۔ دوسرے اس سے یہ نکتہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اچھا کام کرنے، خیر کو فروغ دینے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے اگر لوگ مل جل کر کوشش کریں اور نیک کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اور بہتر طور پر انجام پائے گا۔ اہم بات یہ کہ بعض آیات میں اللہ ربّ العزت نے نہایت واضح طور پر اس کی ہدایت دی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدہ/۲)	اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کام میں اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو، بلا شبہ اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ نیکی و بھلائی کے کام اور خدا ترسی کے اعمال میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی ہدایت دی گئی ہے بلکہ صاف طور پر یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ برائی، ظلم وزیادتی اور گناہ کے کام میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیا جائے یا یہ کہ غلط کام کے لیے کسی کی طرف مدد کا ہاتھ نہ بڑھایا جائے۔ آیت کے آخری حصہ ایک زبردست تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ برا کام کرنا تو جرم ہے ہی، برے کام میں کسی کا ساتھ دینا یا اس کی مدد کرنا اس سے سنگین جرم ہے اور ایسا کرنے والے جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مجرمین کو سزا دینے بڑا سخت ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس آیت سے پہلے جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں حدودِ شریعت کی پابندی،

شعائرِ الٰہی کا احترام، حرام مہینوں کے تقدس کا پاس ولحاظ اور حلت وحرمت کے باب حکمِ الٰہی پر عمل آوری شامل ہیں۔ یہاں اس آیت کے حوالہ سے ایک ممتاز عالمِ دین (مولانا محمد یوسف اصلاحی) کا تبصرہ بہت برمحل معلوم ہوتا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ ''ہر دل میں یہ تڑپ پیدا ہو کہ نیکیاں پروان چڑھیں اور نیکی پھیلانے والوں کے ہاتھ مضبوط ہوں''۔ (قرآنی تعلیمات، مکتبہ ذکریٰ، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۷) مزید یہ کہ ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ برے کام کرنے والوں کو کوئی ساتھ دینے والا نہ ملے یا کسی کو نقصان پہنچانے کی سازش میں شریک ہونے کی کوئی ہمت نہ کر سکے۔ اس آیت کی آخری ہدایت (گناہ اور ظلم وزیادتی کے کام میں کسی کو تعاون نہ دینا) موجودہ حالات کے پس منظر میں بڑی اہمیت ومعنویت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ آج کل منظم طور پر یا منصوبہ بند انداز میں جرائم (Organized Crimes) کی تعداد اور بڑھتی جارہی ہے، خاص طور سے عورتوں کے ساتھ جنسی جرائم کے جو واقعات پریس میں آرہے ہیں ان میں معتد بہ تعداد اجتماعی زنا بالجبر کی ہوتی ہے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے سماجی برائیوں کے انسداد کے لیے جو ہدایات وتعلیمات دی ہیں وہ بہت ہی واضح ہیں اور جو اصول و ضوابط وضع کیے ہیں وہ نہایت جامع ومستحکم ہیں۔ ان کی روشنی میں جو لائحۂ عمل تیار کیا جائے گا وہ یقیناً ان برائیوں کے خاتمہ کے لیے موثر وکارگر ثابت ہوگا۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ دور کا انسان قرآن کے نظامِ عقاید، اخلاقیات اور قوانین کو اچھی طرح سمجھے اور پھر سنجیدگی سے انھیں روبعمل لائے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ انسانی ذہن کو قرآن کی واضح کردہ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا جائے کہ یہ برائیاں نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ پورے معاشرہ کے لیے تباہ کن ہیں۔ ان سے تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ قرآنی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اللہ کرے ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین ثم آمین